

اور حیات کی آخری سانسوں کی لذت کوئی حسینؑ سے پوچھے۔
تمام مورخین گواہ ہیں کہ وہ رات کسی کام میں نہیں کٹی۔ وہ رات
ذکر میں، رُکوع میں، قیام میں، قعود میں، تسبیح میں، تہلیل میں،
تمہید میں، تکبیر میں، سحر ہوگئی۔ کربلا کربلا خیز میدان ان
سپاہیوں کی آوازوں سے گونج رہا تھا۔ دشمنوں میں جنگی
تیاریاں تھیں۔ تیرو نیزے درست کیئے جارہے تھے، شمشیر پر
دھار رکھی جارہی تھی۔ آلات حرب ایک ایک کر کے سنوارے
جارہے تھے۔ جھولیوں میں پتھر جمع کئے جارہے تھے۔ لیکن
حسینؑ کی طرف کیا تھا۔ لہم دوی کدوی النحل۔ شہد
کی مکھیوں کی پرواز میں جو گونج ہوتی ہے۔ اسی طرح ان تشنہ
کاموں کی تسبیح نے کربلا کی فضا کو ہلادیا تھا۔ وہ آواز آج بھی فنا
نہیں ہوئی۔ عالم بالا کی سیر میں مصروف ہے۔ کاش جاذب
الصوت آلات اتنے قوی ہو جائیں کہ فضا کی آوازوں کو سمیٹ
سکیں تاکہ دنیا ان پیاسوں کی تسبیح اور اس کے لہجے کو اپنے کانوں
سے سن کر اندازہ تو لگائے کہ مخلوق پر خالق کا کیا حق ہے۔ اور وہ
بندے کس آن بان کے تھے جو صبح قربانی کی خوشی میں رات کو
عید کی طرح خوشی سے ایک دوسرے کے گلے ملتا تھا۔ اور
مبارکباد دیتا تھا۔ گو ان کی زندگی خطرہ میں تھی، مگر جان آفرین
کی یاد نے ان کو بے خوف بنادیا تھا۔ کیا یہ واقعہ ہر مذہب و
ملت والے کو پالنے والے کی پیدا کرنے والے کی قدر و منزلت
نہیں بتاتا۔ کیا اور اس قسم کی حسینؑ کو ششیں ہر شخص کے لئے مفید
ثابت نہیں ہوتیں؟ یہ ہے وہ حسینیت جس پر کائنات کو ناز ہے۔
اور کیوں نہ حسینؑ کا ہر کارنامہ افادیت کی جان ہے۔ اور باعتبار
شان و شوکت اپنی مثال آپ ہے۔ اسی بے مثال اور دیگر
خوبیوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۷ کا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔)

مفکر اسلام ڈاکٹر مولانا سید کلب صادق نقوی

آج کا دن عاشور کا دن تھا اور شام، شامِ غریباں ہے۔ اس وقت آپ اپنے گھر میں ہیں۔ آپ کے نیچے فرش ہے، گھر میں روشنی ہے۔ لیکن اسی وقت زینبؓ عرشِ مقام جلے ہوئے خیموں کی راکھ پر سر جھکائے بیٹھی ہے۔ آپ کے چاروں طرف عزیز ہوں گے اور زینبؓ کے چاروں طرف عزیزوں کی لاشیں ہیں۔ آپ کے ارد گرد کچھ بچے بھی ہوں گے۔ کچھ بیدار اور کچھ خوابیدہ۔ زینبؓ کے گرد بھی بچے ہیں تو مگر کچھ بیہوش اور کچھ مُردہ۔ اس عالم میں سوچ رہی ہوگی شاہزادی کہ یہی جگہ تھی جہاں کل آبادی تھی آج بربادی ہے۔ کل اصحابِ حسینؑ کی تسبیح و تحلیل کی آوازیں تھیں، آج سناٹا ہے۔ نظر اٹھا اٹھا کر ان جگہوں کو دیکھتی ہوں گی، جہاں کبھی عباسؑ، علیؑ، اکبرؑ، قاسمؑ، اور عونؑ و محمدؑ کے خیمے تھے۔ اور شاید آخر میں اہر بھی نظر ڈال کر ایک آہ سرد بھرتی ہوں گی جہاں کل ایک بے شیر کا گہوارہ تھا۔ اسی کے ساتھ اس کا بھی بار بار خیال آتا ہوگا کہ دیکھیں آنے والا اب کل کا دن کیا دکھاتا ہے۔ پھر شاید بار بار دست دعا بلند کرتی ہوں۔ معبود! جس طرح تو نے آج دین کی حفاظت کے لئے زینبؓ کو ان امتحانی منزلوں سے کامیابی کے ساتھ گزارا ہے یونہی آئندہ بھی ثابت قدم رکھنا۔ اس لئے کہ جہاد حق کی راہ میں آج تک تو میں صرف بھائی کی رفیق تھی مگر اب تو سارا بار میرے دوش پر ہے اور پھر حسینؑ کو تو میدانِ کربلا میں سب کچھ قربان کر کے صرف دین بچانا تھا اور مجھے تو دین بھی بچانا ہے اور بھائی کی آخری یادگار زین العابدینؑ کو بھی۔ زینبؓ کو اسی حالت میں کچھ دیر کے لئے چھوڑ کر آئیے دیکھ لیں کہ کربلا کا یہ خونیں حادثہ ہوا کیوں؟ رسول کریمؐ نے اسلام کی

شکل میں جب ایک مکمل نظام عدل و مساوات کی بنیاد رکھی تو آپ کے گرد تین گروہ تھے۔ کچھ تو ایسے تھے جو اسلام کے اعلیٰ اقدار کی تباہی نہ دیکھ سکے، کچھ ایسے تھے جو اس پیغام پر سچے دل سے لبیک کہتے ہوئے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق تعلیمات اسلامی کا نمونہ بن گئے۔ مگر حرص و آرز کے بندوں کا ایک گروہ وہ بھی تھا جو پوری قوت سے، حریصانہ ذہنیت سے اس انقلاب کا مقابلہ کرتا رہا۔ اُسے صرف دولت چاہئے تھی۔ ظلم و ستم درکار تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفر کے چہرے پر اسلام کی نقاب ڈال کر یزید کی سرکردگی میں وہ سب کچھ کرنے پر تیار ہو گیا جو جاہلیت کی تعلیم تھی۔ حسینؑ کربلا میں بس یہی مقصد لے کر آئے تھے کہ اس پر دے کو تارتار کر دیں۔ بہ زور حکومت کرنا اور بہ زور شمشیر دولت حاصل کرنا کفر کا حربہ تھا۔ اور دلوں پر بہ زور کردار حکومت اسلام کا معیار تھا۔ یہی دو نظریئے کربلا میں ٹکرائے۔ کفر اسلام کی بنیاد میں ظلم کی پُرانی شمشیر لے کر آیا تو قربان گاہ حق پر، دوستوں، عزیزوں، بھائیوں، بھتیجیوں یہاں تک کہ شبیہ پیغمبر، علی اکبرؑ کو بھی پیش کر دینے کے بعد حسینؑ علی اصغرؑ کو لے کر میدان کربلا میں آ گئے یہ علی اصغرؑ کی قربانی تھی۔ بلکہ ایک عالم اصغر تھا جس میں فلسفہ شہادت کا پورا عالم اکبر پنہاں تھا۔ بس اب حسینؑ کا خزانہ خالی ہو چکا تھا۔ بیبیوں کو رخصت کر کے میدان کربلا کا رُخ کیا۔ تلواریں استقبال کو بڑھیں نیزوں نے پہلوؤں کو بوسا دیا۔ تیروں نے پیشانی چومی۔ یہاں تک کہ راکب دوش رسولؐ بسم اللہ کہتا ہوا زمین فرس سے زمین کی طرف جھکا۔

(بقیہ صفحہ نمبر ۵۶ پر۔۔۔۔۔)